حقوقِ نسواں کمیٹی کے صدر کی توضیحات

اور ان پر تبصرہ

از جناب ملک غلام علی صاحب

محترم جناب یحییٰ بختیار صاحب اٹارنی جنرل پاکستان و چیئرمین حقوقِ نسواں کمیٹی پاکستان کا ایک مفصّل بیان ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کے اخبارات میں شائع ہوا ہے جس کے بیشتر حصّے میں ہماری اُن گزارشات پر تنقید کی گئی ہے جو ہم نے ترجمان القرآن ماہ اگست کے " اشارات" میں "حقوق نسواں کمیٹی" کی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے پیش کی تھیں۔ یہ امر ہمارے لیے گونہ اطمینان کا موجب ہے کہ کمیٹی کے معزز صدر نے ہماری بات کو درخورِ اعتنا سمجھا ہے اگرچہ اس سے اختلاف ہی کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو ان کی سفارشات پر اعتراض ہے انہیں چاہیے کہ وہ مزید افہام و تفہیم کی کوشش کریں، کمیٹی اس بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی کہ وہ اسلامی احکام کے خلاف کسی قانون سازی کا مشورہ دے۔ انہوں نے یہ شکایت کی ہے کہ " اشارات" میں بعض دوسرے مصنفین کی آراء پر انحصار کیا گیا ہے، لیکن مولانا مودودی نے اپنی کتاب " حقوق الزوجین" میں جو تصریحات پیش کی ہیں ان کا حوالہ دینے سے گریز کیا گیا ہے۔ بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کمیٹی ہر قسم کے ابہام و اشتباہ کو دُور کرنے کے لیے یہ صاف اور واضح کر دینا چاہتی ہے کہ:

" ایک مسلم خاتون جو اپنے خاوند سے خلع حاصل کرنا چاہتی ہے اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ عدالت میں یہ ثابت کرے کہ وہ اور اس کا خاوند حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے باہم زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ یہ اتنا نازک مسئلہ ہے کہ عدالت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس معاملے میں تحقیق کرے اور اپنا فیصلہ دے سکے"۔

اٹارنی جنرل صاحب کا مزید ارشاد ہے کہ مولانا مودودی کا موقف بھی یہی ہے کیونکہ انہوں نے حقوق الزوجین میں لکھا ہے کہ:

"خلع کے مسئلہ میں دراصل یہ سوال قاضی کے لیے تنقیح طلب ہے ہی نہیں کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالبِ خلع ہے یا نفسانی خواہشات کے لیے علیحدگی چاہتی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے قاضی ہونے کی حیثیت سے جب مقدماتِ خلع کی سماعت کی تو اس سوال کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ کیونکہ اس سوال کی کماحقہٗ تحقیق کرنا کسی قاضی کے بس کا کام نہیں۔ دوسرے خلع کا حق عورت کے لیے اُس حق کے مقابلے میں ہے جو مرد کو طلاق کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ذوّاقیت کا احتمال دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ مگر مرد کے حق طلاق کو قانون میں اس قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے کہ وہ ذوّاقیت کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ پس جہاں تک قانونی حق کا تعلق ہے عورت کے حق خلع کو بھی کسی اخلاقی قید کے ساتھ مقید نہ ہونا چاہیے۔"

اس کے بعد بیان میں اشارات کا درج ذیل اقتباس نقل کیا گیا ہے (جو صدر کمیٹی کے بقول مولانا مودودی کے موقف سے متضاد ہے):

"لیکن معاملہ عدالت میں جائے تو عدالت اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع عورت مرد سے اس حد تک متنفر ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا اور حدود اللہ کی پامالی کا خدشہ ہے تو عدالت کو اختیار ہے کہ جو فدیہ یا معاوضہ چاہے تجویز کرے اور خاوند سے خلع دلوائے یا تنسیخ نکاح کا فیصلہ کر دے۔"

"اشارات" کا یہ ٹکڑا نقل کرنے کے بعد بیان میں مولانا مودودی کا ایک مزید اقتباس دیا گیا ہے جو یہ ہے:

"خلع کی اس بحث سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قانون اسلامی میں عورت اور مرد کے حقوق کے درمیان کس قدر صحیح توازن قائم کیا گیا ہے۔ اب یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ ہم نے اپنی عورتوں سے خلع کے حق کو عملاً سلب کر لیا اور اصول شرع کے خلاف، خلع دینے یا نہ دینے کو بالکل مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھہرا دیا۔ اس سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان کی ذمہ داری خدا اور رسول کے قانون پر قطعاً نہیں ہے۔ اگر اب بھی عورتوں کے اس حق کا استقرار ہو جائے تو وہ بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں جو ہمارے ازدواجی معاملات میں پیدا ہو گئی ہیں بلکہ گتھیوں کا پیدا ہونا ہی بند ہو جائے۔"

اس کے بعد مولانا محترم کا ایک تیسرا اقتباس نقل کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے:

"پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ خلع کا حکم نافذ کرنے کے لیے محض اس بات کا تحقیق ہو جانا کافی ہے کہ عورت اپنے شوہر کو قطعی ناپسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ حضرت عمرؓ کے فعل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفرت و کراہت کے اسباب کا کھوج لگانا ضروری نہیں ہے اور یہ ایک معقول بات ہے۔"

معزز جیئرمین کی اس ساری کاوش کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ "اشارات" میں پیش کردہ موقف اور مولانا مودودی کے موقف میں قطعاً کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے۔ خلع کا معاملہ اگر خانگی طور پر فریقین کے مابین طے نہ ہو سکے تو عدالت سے رجوع کی صورت میں تین امور عدالت یا قاضی کے لیے تنقیح طلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ کیا زوجین کے مابین نفرت و ناچاقی نے ایسی شدید، ناقابل برداشت اور ناقابلِ اصلاح صورت اختیار کر لی ہے کہ اب نباہ ممکن نہیں اور اس بات کا خوف اور خطرہ ہے کہ حدود اللہ قائم نہ رہ سکیں گی، اور تعلقات زوجیت کا بگاڑ ارتکابِ گناہ کا باعث بن جائے گا؟

۲۔ کیا اس منافرت کے لیے کوئی جائز و معقول وجہ یا بنیاد موجود ہے یا محض کسی ایک یا دونوں فریقین کی بے رخی، سرکشی یا ذائقہ بدلنے کی خواہش اس تنفر کی موجب ہے؟

۳۔ اگر نباہ ناممکن ہے اور خلع یا تفریق ضروری ہے تو عورت اس کا بدل اور مالی معاوضہ کتنا ادا کرے؟

"اشارات" میں جو بات کہی گئی ہے اور وہ مولانا مودودی کے موقف کے عین مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ مذکورۂ بالا تنقیحات میں سے امرِ دوم قاضی کے لیے لازماً تنقیح طلب نہیں بلکہ وہ صرف امرِ اوّل کی تحقیق کرنے کے بعد اطمینان حاصل کر لے کہ اب میاں بیوی کا تعلق حدود اللہ کی پامالی کے بغیر ممکن نہیں تو وہ خلع کا حکم یا تفریقِ نکاح کا فیصلہ دے سکتا ہے، اور مزید امرِ سوم کے معاملے میں بھی مقدارِ مال کا تعین کر سکتا ہے۔ حقوق نسواں کمیٹی سے ہمارا اختلاف یہ ہے کہ وہ مندرجۂ بالا امور ثلاثہ میں سے صرف امر ثالث، یعنی تعینِ معاوضہ ہی کا حق عدالت کو دینا چاہتی ہے، اس سے مزید وہ عدالت کو یہ اختیار بھی نہیں دیتی کہ وہ صرف اتنی بات کی بھی تحقیق کر سکے کہ فی الواقع زوجین کے مابین نفرت کی ایسی وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے کہ وہ حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے کسی حال میں بھی میاں بیوی کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے۔ اس

نفرت کے وجوہ شرعاً و اخلاقاً معقول اور جائز ہوں یا نہ ہوں، کم از کم عدالت یہ تو دیکھے کہ نفرت موجود بھی ہے یا نہیں ہے۔ یہ عجیب حُسنِ اتفاق ہے کہ اشارات میں سے جن دو سطروں کو نکال کر یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ وہ مولانا مودودی کے موقف و مسلک کے خلاف ہیں، اشارات کی یہ سطور مولانا مودودی ہی کی ایک دوسری تحریر کے بالکل مشابہ و مماثل ہیں حتیٰ کہ دونوں کے بارے میں توارُد کا گمان ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۹، جس کو اس بحث میں کمیٹی نے بھی نقل کیا ہے، اس کی تشریح میں مولانا مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

"شریعت کی اصطلاح میں اسے خلع کہتے ہیں، یعنی ایک عورت کا اپنے شوہر کو کچھ دے دلا کر اس سے طلاق حاصل کرنا۔ اس معاملہ میں اگر عورت اور مرد کے درمیان گھر ہی میں کوئی معاملہ طے ہو جائے تو جو کچھ طے ہوا ہو، وہی نافذ ہوگا۔ لیکن اگر عدالت میں معاملہ جائے تو عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اس مرد سے اس حد تک متنفر ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی تحقیق ہو جانے پر عدالت کو اختیار ہے کہ وہ حالات کے لحاظ سے جو فدیہ چاہے تجویز کرے اور اس فدیے کو قبول کر کے شوہر کو اسے طلاق دینا ہوگا۔"

اب فاضل اٹارنی جنرل اور قارئین اس عبارت کا مقابلہ "اشارات" کی منقولہ عبارت سے کر کے خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں یا تردید؟ پھر اٹارنی جنرل صاحب نے مزید غضب یہ کیا ہے کہ "حقوق الزوجین" کی جو عبارت ان کے خیال میں مفید مطلب تھی اسے تو نقل کر دیا مگر اُسی بحث میں بہت ساری دوسری توضیحات جو ان کے خلاف پڑتی تھیں اور جو مولانا کے نظریہ و نقطہ نظر کی پوری تشریح کرتی تھیں انہیں بالکل نظر انداز کر دیا۔ اس کی چند مثالیں ہم پیش کرتے ہیں:

حقوق الزوجین کا ایک اقتباس اُنھوں نے آخر میں دیا ہے جو اس عبارت سے شروع ہوتا ہے کہ "پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے......" یہ حقوق الزوجین کے گیارھویں ایڈیشن کے صفحہ ۶۷-۶۸ پر "احکام خلع" کے زیر عنوان موجود ہے۔ اس فقرے میں مولانا کے الفاظ ہیں: "خلع کا حکم نافذ کرنے کے لیے اس بات کا تحقیق ہو جانا کافی ہے کہ عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہے۔" یہاں "تحقیق" کا لفظ خود یہ بتا رہا ہے کہ اس قطعی ناپسندیدگی کی تحقیق عدالت ہی کرے گی۔ بغیر تحقیق و تفتیش کے محض عورت کا نوٹس (یا حلفی بیان جیسا کہ اب کمیٹی کی تجویز ہے) کوئی تحقیقی کارروائی تو نہیں ہو سکتی کہ محض اس کے بل پر

خلع کا حکم جاری ہو جائے۔ یہ مولانا کے بیان کردہ احکام خلع میں پہلا حکم ہے جسے نمبر (۱) کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد (۲) ہے جسے اٹارنی جنرل صاحب نے بالکل حذف کر دیا ہے اور آگے نمبر (۳) نقل کر دیا ہے۔ حکم (۲) کی عبارت "حقوق الزوجین" میں یہ ہے:

(۲) "حضرت عمرؓ کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ نفرت و کراہت کی تحقیق کے لیے قاضی شرع کوئی مناسب تدبیر اختیار کر سکتا ہے تاکہ کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بالیقین معلوم ہو جائے کہ اس جوڑے میں اب نباہ ہونا متوقع نہیں ہے۔"

اس عبارت سے چونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدالت نفرت وکراہت کے وجود یا فقدان کی تحقیق کے لیے کوئی مناسب طریقہ عمل میں لا سکتی ہے، اور یہ بات کمیٹی کو ناگوار ہے، اس لیے اسے گول کر دیا گیا۔ اس سے پہلے صفحہ ۶۶ پر مولانا مودودی نے اس تدبیر کی تفصیل بھی دے دی ہے جو حضرت عمرؓ نے اختیار فرمائی تھی اور وہ یہ ہے:

"آپ نے عورت کو نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا۔ عورت نے قبول نہ کیا۔ اس پر آپ نے اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد آپ نے اسے نکالا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا خدا کی قسم، مجھ کو انہی راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ اس کو خلع دے دے خواہ اس کے کان کی بالیوں ہی کے عوض میں ہو۔"

اب ایک طرف حضرت عمرؓ کے طریق تحقیق کو دیکھیے جسے مولانا نے امام شعرانیؒ کی کتاب "کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ" سے نقل کیا ہے اور دوسری طرف یہ طرفہ تماشا دیکھیے کہ امام شعرانی کی دوسری کتاب "المیزان الکبریٰ" کا ایک ادھورا حوالہ تو کمیٹی کے ارکان بار بار پیش کر رہے ہیں کہ بیوی شوہر کی بدصورتی سے نفرت کی بنا پر خلع لے سکتی ہے (اسے اصل رپورٹ میں بھی دیا گیا ہے اور اب تازہ بیان میں بھی دہرایا گیا ہے) لیکن نفرت کے متحقق کرنے کا جو ذریعہ حضرت عمرؓ نے اختیار کیا کہ تین رات عورت کو کال کوٹھڑی میں بند رکھنے کے بعد پوچھا کہ اس کی نفرت کے جذبات بدستور قائم ہیں یا کچھ کمی ہوئی ہے، یہ بات اٹارنی جنرل صاحب بیان نہیں فرماتے۔ کیونکہ ان کا موقف تو یہ ہے کہ جونہی عورت لکھ دے یا بیان کر دے کہ وہ اور اس کا شوہر حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے زندگی نہیں گزار سکتے تو عدالت فوراً بلا چوں و چرا اس دعوے کو تسلیم کرے گی اور اس

کی صحت و عدم صحت کے جانچنے کے لیے کوئی ادنیٰ اور معمولی سی تدبیر بھی اختیار نہیں کر سکے گی، نہ شوہر کی بات سن سکے گی۔ بس جھٹ پٹ نکاح کو زائل سمجھ کر یا قرار دے کر مالی معاوضہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر دے گی۔

یہاں یہ بات مزید قابلِ وضاحت ہے کہ امام شعرانی کی المیزان کا اقتباس بھی رپورٹ میں اور موجودہ اخباری بیان میں بالکل نامکمل نقل کیا گیا ہے۔ امام شعرانی نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ عورت بالاتفاق معاوضہ دے کر خلع لے سکتی ہے، وہاں مزید یہ بھی لکھا ہے:

وتراضیا علی الخلع من غیر سبب جاز ولم یکرہ خلافاً للزھری وداؤد وعطاء فی قولھم ان الخلع لا یصح فی ھذہ الحالة لانہ عبث والعبث غیر مشروع وغیر المشروع مردود۔

(اور اگر میاں بیوی بلا سبب خلع پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے، مکروہ نہیں، مگر امام زُہری، امام عطاء ابن ابی رباح مکی اور امام داؤد ظاہری کو اس سے اختلاف ہے۔ اُن کا قول یہ ہے کہ ایسی حالت میں خلع فعل عبث ہے اور عبث کام غیر مشروع ہے اور غیر مشروع قابلِ رد ہے)

اسی طرح حقوق الزوجین کا یہ فقرہ کہ "حضرت عمرؓ کے فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفرت و کراہت کے اسباب کا کھوج لگانا ضروری نہیں" اس کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بجائے خود نفرت و کراہت ہی کا وجود معلوم کرنے کی کوشش عدالت نہ کرے، بلکہ صرف اسباب نفرت کریدنے کو غیر ضروری کہا گیا ہے وجودِ نفرت کی تحقیق ایک الگ چیز ہے اور اسبابِ نفرت کی تحقیق الگ چیز ہے۔ مولانا مودودی کے جس پیرے کا آغاز اس فقرے سے ہوا ہے اس میں آگے چل کر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "قاضی کا کام اس واقعہ کی تحقیق کرنا ہے کہ عورت کے دل میں شوہر سے نفرت پیدا ہو چکی ہے، مگر یہ فیصلہ کرنا اس کا کام نہیں ہے کہ جو وجوہ وہ عورت بیان کر رہی ہے وہ نفرت کے لیے کافی ہیں یا نہیں"۔ ہماری اس بیان کردہ تفصیل سے یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ کمیٹی اپنے خود ساختہ نظریات کو حق بجانب ثابت کرنے کا بہر حال تہیّہ کر چکی ہے اور اس مقصد کے لیے دوسروں کی تحریرات میں نارَوا قطع و برید کرنا بھی جائز سمجھتی ہے۔

کمیٹی کے معزز صدر اور ارکان سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ سورہ بقرہ آیت ۲۲۹، جس کا حوالہ وہ خود دے رہے ہیں، اس میں فَاِنْ خِفْتُمْ...... کے مخاطب صرف زوجین تو نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ تثنیہ کا صیغہ نہیں ہے، جو صرف دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے، بلکہ جمع کا صیغہ ہے جو عربی میں دو سے زاید

کے لیے آتا ہے، اس لیے اس خطاب میں زوجین کے علاوہ افراد خاندان اور قاضی عدالت بھی شامل ہو سکتے ہیں، اور ان سب سے کہا جا رہا ہے کہ " اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے ..." تو عدالت کو یہ اندیشہ و خدشہ محض عورت کے ایک نوٹس یا حلفی بیان سے لاحق ہو جائے گا کہ اب حدود اللہ کی پاسداری کا کوئی احتمال و امکان باقی نہیں رہا ہے اور خلع دلانا یا تفریق کر دینا ناگزیر ہے؟ کیا مزید کوئی سرسری تفتیش یا خاوند کو جواب دعویٰ کا حق بھی نہیں ہے؟ اسلام کے عدالتی نظام کا ایک بنیادی ضابطہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنن ابی داؤد اور دیگر کتب احادیث میں مروی ہے وہ یہ ہے کہ " مقدمے کے فریقین دونوں عدالت کے سامنے بیٹھیں اور فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ فریق ثانی کی بات بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح تم نے فریق اول کی بات سنی ہے"۔ رائج الوقت نظامِ عدالت میں بھی اسی اصول کو تسلیم کیا گیا ہے کہ کسی کو سماعت و صفائی کا موقع دیے بغیر اس کے خلاف فیصلہ نہ دیا جائے۔

تعجب ہے کہ اٹارنی جنرل جیسے فاضل قانون داں اس حقیقت سے اغماض کر رہے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ اور پیش نظر رہنی چاہیے کہ مولانا مودودی نے جو لکھا ہے کہ اسباب نفرت معلوم کرنے کی حاجت نہیں، اور جس سے ہمیں کامل اتفاق ہے، اس کا مدعا فقط یہ ہے کہ عدالت اِس کی مکلّف نہیں کہ وہ جب تک پوری طرح اسباب کی کھوج کرید نہ کرے اور ان کی معقولیت یا عدم معقولیت کو جانچ نہ لے اس وقت تک خلع یا تنسیخ کا فیصلہ نہ دے۔ دوسرے لفظوں میں خلع یا تفریق کا انحصار اس امر پر نہیں کہ وجوہ کی گہرائی تک پہنچا جائے، کیونکہ ان کی جانچ پڑتال میں میاں اور بیوی کے ایسے پوشیدہ معاملات بھی کھل سکتے ہیں جن کا کھلنا شریعت اسلامیہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے، لیکن عدالت چاہے تو کسی نہ کسی حد تک وجوہ بھی معلوم کر سکتی ہے اور اس کے سامنے وجوہ بیان کیے جائیں اور عدالت ان کا نوٹس لینا چاہے تو لے سکتی ہے: خود معاوضہ اور زرِ فدیہ، جس کے تعین تک کمیٹی عدالت کے اختیارات کو محدود کرنا چاہتی ہے، اس میں بھی ایک حد تک ناچاقی اور منافرت کے وجوہ کا علم بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ فقہا کا عام فتویٰ یہ ہے کہ اگر خاوند کا ظلم مطالبۂ خلع کا سبب ہو تو خاوند کے لیے معاوضہ لینا مکروہ ہے، اور اگر عورت معقول وجوہ کے بغیر خلع مانگے تو اسے خاوند نے جو کچھ بھی بطور مہر، ہدیہ وغیرہ دیا ہے وہ سب یا اس سے زیادہ بھی قاضی خاوند کو دلا سکتا ہے۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ عدالت محض عورت کے بیان کی وصولی کی حد تک اپنے اختیارات کو محدود نہیں کر سکتی بلکہ ضروری

اور مناسب طور پر مزید تحقیق بھی کر سکتی ہے۔

محترم صدر حقوقِ نسواں کمیٹی نے ساری بحث و تمحیص کے بعد بیان کے آخر میں فرمایا ہے کہ کمیٹی مزید وضاحت اور ازالۂ ابہام کی خاطر ویسٹ پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ ۱۹۶۴ء میں درج ذیل ترامیم تجویز کرتی ہے:

ا۔ مسلمان بیوی فیملی کورٹ میں دعویٰ دائر کر کے تفریق نکاح کا فیصلہ لے سکتی ہے جس دعوے میں منجملہ اُمور دیگر یہ ہوگا:

ا۔ ایک حلف نامہ جس میں بیان ہوگا کہ وہ اور اس کا شوہر حدود اللہ کے اندر زندگی نہیں گزار سکتے

ب۔ مزید بیان عورت کی طرف سے یہ ہوگا کہ وہ معاوضہ خلع ادا کرنے اور خاوند نے جو مال اُسے بوقت نکاح دیا تھا اسے واپس کرنے پر تیار ہے۔

ج۔ عدالت حلفی بیان کی صحت و عدم صحت کو جانچے بغیر معاوضہ و فدیہ کا تعین کرے گی کہ وہ اگر خاوند کے حق میں واجب الادا ہے تو کتنا ہے جسے بیوی خلع کے حصول کے لیے دے گی۔

د۔ خاوند کو اگر نکاح کے وقت کوئی جائداد ملی ہے یا عورت کی کوئی دوسری جائداد یا مال خاوند کے قبضے میں ہے تو وہ اسے بیوی کو واپس کر دے یا اسے اس معاوضے میں محسوب کرے جو بیوی کے ذمہ بطور زرِ خلع واجب الادا ہے۔

اٹارنی جنرل صاحب نے آغازِ کلام تو اس سے کیا تھا کہ وہ اسلامی احکام کی خلاف ورزی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، تاہم اگر کسی کو ہماری تجاویز اسلام کے خلاف نظر آئیں تو وہ ہمیں سمجھائے۔ ہمارا ذہن کھلا اور کشادہ ہے۔ لیکن آخر میں انھوں نے خاتمۂ بحث اس پہ فرمایا کہ عورت بس ایک حلفی بیان دے دے جس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ عدالت نہیں کر سکتی۔ عدالت صرف یہ کرے گی کہ خلع کا معاوضہ طے کرے گی اور خاوند کے ذمہ جو کچھ بیوی کا واجب الادا ہے وہ اس میں سے منہا کر دے گی، اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ خاوند کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔ شاید ایسے ہی مواقع کے لیے یہ کہاوت کہی جاتی ہے کہ "پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر پرنالہ جوں کا توں رہے گا"۔

خلع کے جو مقدمات ہماری اعلیٰ ترین عدالتوں تک پہنچے ہیں ان میں سے ایک مشہور مقدمہ خورشید بی بی بنام محمد امین ہے جس کا فیصلہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو سپریم کورٹ کے پانچ فاضل ججوں نے سنایا ہے۔ اس کے

چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

"عورت کو حق خلع حاصل ہے بشرطیکہ وہ عدالت کے ضمیر و وجدان کو اس بارے میں مطمئن کر دے کہ خلع کے بغیر اُسے ایسی ازدواجی زندگی پر مجبور ہونا پڑے گا جس سے وہ متنفر ہے۔"

"قرآن مجید کی اس شرط کی لازماً تکمیل ہونی چاہیے کہ زوجین کے لیے اب موافقت اور ہم آہنگی کے ساتھ اور اپنے فرائض و واجبات کو ادا کرتے ہوئے یکجا زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے۔"

"سورہ بقرہ (آیت ۲۲۹) اور سورہ نساء (آیت ۳۵) میں ایک عام اصول بیان کیا گیا ہے کہ اگر قاضی کو یہ خدشہ محسوس ہو......" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قاضی اس بات کی تحقیق کرے گا کہ خاوند معاوضہ خلع لینے میں کس حد تک حق بجانب ہے۔ قاضی کے اس اختیار سے اس بات کی ضمانت ملتی ہے کہ بہت غیر محدود اور کثیر تعداد میں نکاح فسخ نہیں ہوں گے اور عورت بھی مظلوم اور مال سے محروم نہ ہوگی۔"

"خلع کا حق عورت کے لیے غیر محدود نہیں بلکہ یہ ایک مشروط و محدود حق ہے۔ یہ تب حاصل ہوگا جب کہ قاضی اس نتیجے پر پہنچے گا کہ زوجین حدود اللہ کی پابندی کرتے ہوئے باہم نہیں رہ سکتے۔ یہ قاضی کے لیے فیصلہ کرنے میں ایک رہنما اصول ہے"۔

"سورہ بقرہ کی آیتِ مذکورہ عورتوں کو ازالۂ نکاح کے مطالبے کا حق دیتی ہے، قاضی کو اس معاملے میں فیصلہ دینے کا مجاز کرتی ہے اور اس کے لیے فیصلے کا ایک ضابطہ فراہم کرتی ہے۔ اس طرح یہ آیت ان وجوہ میں ایک وجہ اور بنیاد کا اضافہ کرتی ہے جن کے تحت نکاح کو فسخ کیا جاسکتا ہے اور قاضی کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ جن مقدمات میں مناسب سمجھے خاوند کی مرضی کے بغیر بھی نکاح کو زائل کر دے۔"

"مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک مکمل بنچ نے بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام کے فیصلے میں فیصلہ دیا ہے کہ اگر بیوی وہ مال ادا کرے جو خاوند نے بوقت نکاح دیا ہے تو وہ فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کرسکتی ہے بشرطیکہ جج یہ خطرہ محسوس کرے کہ فریقین حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ یہ آخری شرط اور قید بہت ضروری ہے اور خلع کی ڈگری صرف اسی حالت میں دی جائے گی جبکہ اسلام کی مقرر کردہ ازدواجی موافقت کے ساتھ زندگی بسر کرنا زوجین کے لیے ممکن نہ ہوگا"۔

"اگر قاضی کو یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ زوجین کے مابین تعلقات ایسے بگڑ چکے ہیں کہ اب اسلامی احکام کے مطابق ان کا نباہ نہیں ہوسکتا اور مصالحت بھی خارج از بحث ہے اور خاوند کی قید نکاح میں

رہنا عورت کے لیے مضر ہے تو ارشاد نبوی قاضی کو تفریق نکاح کا حق دیتا ہے۔"

سپریم کورٹ کے فیصلے کے یہ چند اقتباسات بھی اسی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ خلع کے مقدمے میں عدالت ایسی بے بس اور بے اختیار نہیں کہ وہ عورت کے حلفی بیان کی صداقت کو زیر بحث ہی نہ لا سکے اور مناسب اور ضروری حد تک اس امر کی تحقیق نہ کر سکے کہ فی الواقع کسی خاص مقدمے میں نکاح کا باقی رہنا حدود اللہ کی پامالی کا موجب ہوگا یا نہیں اور اس میں تنسیخ نکاح کا فیصلہ دینا چاہیے یا نہیں۔ ہر حلفی بیان پر عدالت کو فسخ نکاح پر مجبور کر دینا اسلامی تعلیمات اور عقل و انصاف کے مقتضیات سے کوسوں دور ہے۔ اس ساری بحث کے باوجود اگر کمیٹی کو اپنے ہی موقف کی صحت پر اصرار ہے تو پھر اس کی ذمہ داری عنداللہ وعندالناس کمیٹی کے ارکان اور اس کے چیئرمین کے سر ہے اگرچہ اس کے نتائج پوری قوم کو بھگتنے ہوں گے۔

ہماری سمجھ میں اب تک یہ بات بھی نہیں آسکی کہ خلع کے لیے ایک نئے الگ قانون کی ضرورت کیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ۱۹۳۹ء کے قانون تفریق نکاح کی ترمیم شدہ صورت میں یہ گنجائش موجود ہے کہ شرعی قانون کے مطابق جن جائز وجوہ کی بنا پر نکاح کی تنسیخ ممکن ہے، ان میں سے کسی بنیاد پر عورت تفریق نکاح کا فیصلہ لے سکتی ہے۔ اس کے بعد مغربی پاکستان مسلم پرسنل لا شریعت کی تنفیذ کا قانون (۱۹۶۲ء) موجود ہے جس کی رو سے لازم ہے کہ مسلمانوں کے نکاح وطلاق اور دیگر شخصی معاملات کے مقدمات کا فیصلہ قانون شریعت کے مطابق ہو۔ بحالات موجودہ یہ دو قوانین عورتوں کے حق میں عدالتی تنسیخ نکاح کے لیے کافی تھے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اس کا مسلمان جج ایسی تنسیخ کا مجاز ہے۔ اس عدالتی اختیار کے تحت پاکستان کی زیریں اور اعلیٰ ترین عدالتیں خلع اور تفریق نکاح کے فیصلے مناسب قضیات (APPROPRIATE CASES) میں صادر کر رہی تھیں۔ اس کے بعد غیر ضروری طور پر ایک مسلم عائلی قوانین آرڈی ننس ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا گیا جس کی بیشتر دفعات خلاف شریعت ہیں۔ پھر اسی طرح ایک مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ ۱۹۶۴ء میں نافذ کیا گیا جس کے تحت قائم کردہ عدالتوں کو طلاق، مہر، نفقہ، حضانت اور حقوق زوجیت کی بازیابی کے مقدمات کی خصوصی سماعت کی اجازت دی گئی۔ مگر ان عدالتوں کے اختیار کا حال یہ ہے کہ اگر ۱۹۶۴ء کے قانون کے تحت وہ فسخ نکاح کی ڈگری دے بھی دیں تو وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتی جب تک کہ ۱۹۶۱ء والے عائلی آرڈی ننس کے تحت یونین کونسل کا چیئرمین یا اس کے مماثل اختیارات رکھنے والا کوئی فرد یا حاکم عدالت اس ڈگری کی توثیق و تنفیذ کے لیے مزید کارروائی نہ کرے۔ اب اس کے بعد حق خلع اور دیگر نسوانی

حقوق کا غلغلہ دوبارہ بلند ہوا ہے اور حقوق نسواں کمیٹی کے صدر کا تازہ ترین ارشاد یہ ہے کہ ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین میں جو اختیارات یونین کونسل کے چیئرمین کو حاصل ہیں وہ ۱۹۶۴ء والے ایکٹ کے تحت قائم شدہ عدالت ہی کو سونپ دیے جائیں گے اور خلع کا حق ۱۹۶۴ء والے عائلی قانون کے تحت ترمیم کے ذریعے سے دیا جائے گا۔ گویا کہ ۱۹۶۱ء کا آرڈی نینس اپنی غیر اسلامی دفعات کے ساتھ علی حالہٖ نافذ و غالب رہے گا اور مسلم معاشرے کو اس سے نجات نصیب نہ ہوگی۔

آخر میں یہ وضاحت کر دینا مناسب ہے کہ "حقوق نسواں کمیٹی" کی رپورٹ پر اب تک جو تبصرہ شائع ہو چکا ہے اگرچہ وہ ایک فرد نے رقم کیا ہے لیکن وہ محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی نگاہ سے گزر چکا ہے۔ انہی کے رسالے میں چھپا ہے اور انہوں نے اس سے کامل اتفاق بلکہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ موجودہ جوابی بحث جو میں نے جناب اٹارنی جنرل پاکستان کے بیان پر کی ہے اسے بھی مولانا محترم نے دیکھ لیا ہے اور اس کی تصویب و تصدیق فرمادی ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے ذمہ دار اور اہل علم حضرات کی نظر سے بھی پوری بحث گزر چکی ہے اور انہوں نے بھی اس کی توثیق ہی فرمائی ہے۔ حقوق نسواں کمیٹی کے فاضل صدر نے ابھی تک صرف ترجمان اگست ۱۹۷۶ء ہی کے اشارات پر تبصرہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد ستمبر اور اکتوبر کے شماروں میں جو گزارشات پیش کی گئی ہیں۔ ان کے متعلق اظہار رائے نہیں کیا۔ ان سے درخواست ہے کہ اب تک کی شائع شدہ اور آئندہ شائع ہونے والی پوری بحث کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس پر بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔ صرف حقِ خلع یعنی عورتوں کی بندشِ نکاح سے آزادی تو کوئی ایسا بنیادی اور پسندیدہ حق نہیں جس پر ہر مسلمان عورت یا مرد کی توجہ مرکوز رہے اور ساری بحث اسی کے گرد گھومتی رہے۔